قرائن کے متعلق فقہی آراء کا جائزہ

غلام فاروق*

ہمایوں عباس**

قرائن کے جواز اور اس کی حجیت پر مسلم امہ کے علماء و فقہاء تقسیم ہو گئے ہیں۔ایک وہ جو اس کے جواز کے قائل نہیں اور دوسرے وہ جو کہ اس کے جواز کے قائل ہیں لیکن بعض معاملات میں جائز اور حدود و قصاص میں اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ہمارے ہاں اسلامی نظریاتی کونسل میں بھی حدود و قصاص میں تسلیم نہ کرنے کی سفارشات مو جود ہیں۔کیونکہ حدود و قصاص کے متعلق قانون سازی تو قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ اس طرح یہ بھی یاد رہے کہ ضروریات دین اور دین کے ان مسلمہ اصولوں میں جو قرآن و حدیث کی صریح نصوص سے ثابت ہیں ان میں اختلاف کی گنجائش ہے نہ ہی جمہور علمائے اسلام میں سے کسی نے اختلاف کیا ہے۔اختلاف صرف جزئیات اور فروعی اختلاف میں واقع ہوا ہے۔ نیز یہ اختلاف حلت و حرمت میں بہت کم واقع ہوا ہے بلکہ زیادہ تر یہ اختلاف مستحب یا غیر مستحب ہونے یا مکروہ یا غیر مکروہ ہونے کی حد تک ہیں۔لہٰذا ثابت ہوا کہ فقہاء اسلام میں مختلف معاملات میں اختلاف اس امت کے لیے باعث رحمت ہے۔اسی طرح فقہی مذاہب میں قرائن کے اعتبار اور عدم اعتبار پر مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔قرائنی شہادت کن فقہاء کے ہاں قابل قبول ہے اور کن کے ہاں قبول نہیں اس حوالے سے فقہاء اسلام مختلف طبقات میں تقسیم ہو گئے ہیں ان میں حدود و قصاص کے متعلق قرائن کے اعتبار اور عدم اعتبار کے متعلق فقہاء اسلام کے دو گروہ ہیں۔ان گروہوں کے تعارف اور دلائل سے قبل قرائن کا لغوی اور اصطلاحی معنی و مفہوم بیان کیا جاتا ہے

میر سید شریف جرجانی التعریفات میں قرائن کی تعریف یوں کی ہے" القرینه فی الاصطلاح امر یشیر الی المطلوب" قرینہ اصطلاح میں اس امر کو کہتے ہیں جو مطلوب و مقصود کی طرف اشارہ کرے. یعنی جس کے ذریعے سے حقیقت تک رسائی ممکن ہو۔جبکہ امام فتح اللہ زید قرینہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں ھی الامارۃ التی نص علیھا الشارع او استنبطھا ائمۃ الشریعۃ باجتھادھم [۲] قرینہ اس علامت کو کہتے ہیں جس کو شارع نے بیان کیا ہو یا ائمہ شریعت نے اجتہاد و استنباط کیا ہو ۔جبکہ مصطفیٰ الزرقا نے اس کے

*پی ایچ۔ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ و عربی، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد لیکچرار؛ گورنمنٹ علامہ اقبال پوسٹ گریجوایٹ کالج، سیالکوٹ، پاکستان

**پروفیسر، فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد، پاکستان

متعلق یوں لکھا ہے" القرینة کل امارة ظاهرة تقارن شیئا خفیا و تدل علیه،وهی ماخوذة من المقارنة بمعنی الموافقة والمصاحبة"[۳] قرینہ وہ ظاہری علامت ہے جو کسی خفیہ چیز سے ملی ہو اور اس پر دلالت کرے۔اور یہ مقارن سے ماخوذ ہے ،موافقت اور مصاحبت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ۔ فقہاء کی ان تمام تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ قرینہ اس علامت اور نشانی کو کہتے ہیں جو مطلوب و مقصود تک پہنچا دے اور جس سے کسی چیز کی حقیقت اور اصلیت تک رسائی ممکن ہو سکے اور جس سے مسائل کے استنباط اور استخراج میں آسانی میسر ہو اور جرائم کی تلاش میں جو ممد و معاون ثابت ہو۔

قرائن اور فقہی مسالک:

فقہی مذاہب میں قرائن کے اعتبار اور عدم اعتبار پر مختلف آراء پائی جاتی ہیں ان میں چند ایک کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔ جہاں تک قرائن کے اعتبار اور عدم اعتبار کا تعلق ہے تو ہر فقیہ اس کو کسی نہ کسی صورت میں تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے لیکن اصل میں اختلاف تو حدود و قصاص جیسے جرائم کے متعلق ہے۔بہر حال حدود و قصاص کے متعلق قرائن کے اعتبار اور عدم اعتبار کے متعلق فقہاء اسلام کے دو بڑے گروہ ہیں۔

ا۔قرائنی شہادت قابل قبول نہیں

یہ رائے ائمہ شوافع اور احناف کی ہے اور ان میں امام خیر الرملی،امام ابن نجیم اور صاحب تکملہ المحتار ااور شیعہ جعفریہ کے ائمہ ہیں جو عدم جواز کے قائل ہیں۔قرینہ کے عدم جواز کے قائل فقہاء کا ذکر امام محمد جو ادمغنی نے اپنی کتاب میں کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

''الخیر الرملي وابن نجیم وصاحب تکملة المحتار علی الدر المختار من الحنفیة والشیعة الجعفریة، وهؤلاء ذهبوا إلی منع العمل بالقرائن.''[۴]

مانعین قرائن کے دلائل:

ا۔ امام خیر رملی اور ابن نجیم کے نزدیک حدود میں قرائنی شہادت قبول نہیں۔یہ اپنے موقف کی تائید میں روایت بیان کرتے ہیں جو کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے:

''عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت راجما أحدا بغیر بینة فلانة...''[۵]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر میں کسی کو بغیر گواہوں کے سنگسار کرتا تو فلانی عورت کو سنگسار کرتا مگر چونکہ اس کی گفتگو اور اس کی حالت پر داخل ہونے والے کے بارے میں شک پیدا ہو چکا تھا اس لیے میں اس پر حد جاری نہیں کرتا''

مانعین اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مذکورہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس عورت پر حد جاری نہیں فرمائی اس کے باوجودیکہ وقوع زنا کی علامات موجود تھیں، تو قرائن اور علامات قابل حجت ہوتیں تو آپ ﷺ لازماً اس عورت پر حد جاری فرماتے۔

۲۔ مانعین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قرائن کی بنیاد ظن اور تخمین پر ہوتی ہے اور ظن دلیل نہیں بن سکتا۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾[۶] (اور بے شک گمان حق بات میں مفید نہیں ہوتا)۔ قرینہ کی بنیاد چونکہ ظن اور اندازے پر ہوتی ہے جو کہ اکثر غلط ثابت ہوئے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ تمہارے کمزور دلائل جرم کے اثبات کے لیے قوی اور حتمی قرینہ نہیں بن سکتے۔

مانعین قرائن کے دلائل کے جوابات:

قائلین قرائن، مانعین کے دلائل کا جواب یوں دیتے ہیں۔

پہلی دلیل کا جواب یہ کہ جواز کے قائلین نے کہا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے اس عورت پر اس لیے حد جاری نہ فرمائی تھی کہ اس کا جرم قرائن قطعیہ سے ثابت نہ ہوا تھا اور قرائن میں شبہ پیدا ہو گیا تھا اور اصول یہ ہے کہ ''والحدود تدرأ بالشبهات.''[۷] (اور حدود شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں''۔ اسی طرح مانعین قرائن کی دلیل کا دوسرا جواب جس کا ذکر فتح الباری میں موجود ہے وہ یہ ہے کہ '' کہ یہ واقعہ لعان کا ہے نہ کہ زناکاری کا اور لعان کی صورت میں تو حد جاری نہیں ہوتی''۔[۸]

مانعین کی دلیل کا تیسرا جواب یہ کہ لو كنت راجما أحدا بغير بينة ''[۹]'' (میں کسی پر بغیر بینہ اور ثبوت کے رجم کرتا تو۔۔) ''خود اسی حدیث میں صراحت ہے اور قرائن تو بینہ ہوتے ہیں یعنی قرائن تو قوی ثبوت ہوتے ہیں والقرائن بینہ کے حد جاری نہیں کرتا یہاں چونکہ قرائن موجود ہی نہیں ہے تو حد جاری کیسے کی جاتی۔ معلوم ہوا یہی حدیث تمہارے خلاف ہے یہ حدیث ہمارے قول کی تائید کرتی ہے نہ کہ تمہارے قول کی۔

مانعین کی دلیل کا چوتھا جواب یہ ہے کہ چونکہ اس واقعہ میں قرائن ضعیفہ تھے اور قرائن ضعیفہ سے حد کا حکم ثابت نہیں ہوتا اس لیے حد جاری نہ کی گئی۔[۱۰]

مجوزین قرائن نے مانعین کی دوسری دلیل کا جواب یہ دیا ہے کہ ظن کی دو قسمیں ہوتی ہیں:(۱) قوی۔ (۲) ضعیف۔

اور جس ظن سے منع کیا گیا ہے وہ ظن ضعیف ہے۔اور ایک دوسرا جواب یہ ہے کہ "إن الظن المنهی عنه وهو الظن فی العقائد والعقیدة لا تثبت بالظن عن سوء الظن."[۱۱] "جس ظن سے منع کیا گیا ہے وہ عقائد میں سے ہے اور عقیدہ ظنی باتوں سے ثابت نہیں ہوتا۔"

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾[۱۲] "کہ ان کے پاس علم نہیں وہ صرف ظن اور گمان پر چلتے ہیں۔

نیز جس حدیث شریف میں جس ظن سے نہی وارد ہوئی ہے وہ برا ظن ہے یعنی کسی کے بارے میں بدگمانی نہ کرو۔عز بن عبد السلام فرماتے ہیں: "إن النهی فی الآیة لیس عن کل الظن وإنما النهی عن بعضه."[۱۳] "آیت میں ہر ظن سے منع نہیں کیا گیا بلکہ بعض ان ظنوں سے منع کیا گیا جن پر عقلا و نقلا عمل محال ہو"۔مانعین قرائن کے دلائل کے جائزے کے بعد اول مجوزین کا موقف اور پھر ان کے دلائل ذکر کیے جاتے ہیں

۲۔قرائنی شہادت ہر طرح کے معاملات میں معتبر ہے :

اس رائے کے موئدین امام ابن قیم اور ابن الغرس بھی ہیں[۱۴] ان کی رائے یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کے ذریعے سچائی سامنے آجائے اس کو شہادت کے طور پر قبول کیا جاسکتا ہے اس رائے کی بنیاد خلفائے اربعہ کے فیصلہ جات ہیں جیسا کہ حمل کا جاری ہونا، شراب کی بو اور قے کی وجہ سے حد جاری کرنا، مال مسروقہ کا برآمد ہونا۔یہ تمام امثلہ قرائن کی حجیت اور اس کے بطور گواہی کے عمدہ دلیل ہیں۔سب سے پہلے مجوزین کے دلائل کتاب وسنت سے دیئے جاتے ہیں تاکہ اس کی حجیت واضح ہو جائے

مجوزین قرائن کے دلائل :

قرائن کے معتبر ہونے کے دلائل قرآن وحدیث میں کثیر تعداد میں موجود ہیں البتہ صرف چند قرآنی آیات اور احادیث پر اکتفا کیا جاتا ہے۔حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ قرائنی شہادت قابل اعتماد ہے اس کو بنیاد بنا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

ا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾﴾[15]

”یوسف علیہ السلام نے کہا: (نہیں بلکہ) اس نے خود مجھ سے مطلب براری کے لیے مجھے پھسلانا چاہا اور (اتنے میں خود) اس کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے (جو شیر خوار بچہ تھا) گواہی دی کہ اگر اس کا قمیص آگے سے پھٹا ہوا ہے تو یہ سچی ہے اور وہ جھوٹوں میں سے ہے اور اگر اس کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو یہ جھوٹی ہے اور وہ سچوں میں سے ہے پھر جب اس (عزیزِ مصر) نے ان کا قمیص دیکھا (کہ) وہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا تو اس نے کہا: بے شک یہ تم عورتوں کا فریب ہے۔ یقیناً تم عورتوں کا فریب بڑا (خطرناک) ہوتا ہے“

امام قرطبیؒ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ان الله تعالىٰ جعل شق الثوب قرينة ودليلا على صدق احد المتنازعين حيث استطاع الزوج ان يتوصل الى تمييز الصادق من الكاذب بواسطة قد القميص، وقد جعل الله تعالىٰ قد القميص امارة ووسيلة للحكم بتصديق يوسف وتكذيب الزوجة عندما وجد ان القد كان من الدبر وهذا من أقوى الأدلة على مشروعية العمل بالقرائن، والا ستناد الى الامارات، وسمى قوله شهادة، لأنه أدى موداها فيى اثبات قول يوسف وابطال قولها"[16]

”امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کپڑے کے پھٹنے کو قرینہ بنایا۔ اور اس سے جھگڑا کرنے والوں میں سے کسی ایک کے لیے اس کو دلیل بنایا ہے۔ تاکہ سچ کو جھوٹ سے جدا کر دے اس قمیض کے ذریعے سے۔ اللہ نے اس کو حضرت یوسف علیہ السلام کی سچائی کا ذریعہ اور ان کی زوجہ کے جھوٹ کا سبب بنایا۔ اس لیے کہ انہوں نے قمیض کو پیچھے سے پھٹا ہوا پایا“۔

یہ قرآئن پر مشروعیت پر عمل کی قوی دلیل ہے۔ اور اس کو شہادت کے طور پر قبول کیا گیا ہے اس لیے کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سچے ہونے کی تائید کرتی ہے۔ اور دوسرے کے قول کو باطل کرتی ہے۔

امام قرافی سابقہ آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

” قال ابن الغرس: هذه الآية يحتج بها من يرى الحكم بالإمارات والعلامات فيما لا يحضره البينات “[17]

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں قرائن کی حجیت پر واضح دلیل موجود ہے کہ قرائن کی روشنی میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے اگر قوی ذریعہ سے معلوم ہوں جس طرح شریعت اسلامیہ نے جرائم کی بابت دو اور چار گو

اہیاں لازم قرار دی ہیں۔اسی طرح قرینہ بھی بطور گواہی قبول ہو سکتا ہے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ قرائن کے جواز میں کوئی عام دلائل نہ ہیں بلکہ کتاب اللہ کی واضح نص موجود ہے۔

مذکورہ عبارت پر یہ اعتراض بھی کیا جا سکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ تو ہم سے ماقبل شریعت کا ہے لہٰذا ہم سے ماقبل شریعتوں میں قرائن سے فیصلہ جائز تھا۔جبکہ ہماری شریعت میں جائز نہیں۔اور ان کی شریعت پر عمل کرنا تو ہم پر لازم نہیں ہے۔

علماء اصولیین نے اس بات کا جواب یہ دیا کہ ماقبل شریعتوں کے احکامات اس وقت ہمارے لیے بھی قابل عمل ہو جاتے ہیں جب ہماری شریعت قرآن مجید یا سنت سے ان کو تائید مل جائے اور اس مناسبت سے ہماری شریعت میں قرآئن کے کثیر احکامات موجود ہیں۔[۱۸]

لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ سابقہ شریعتوں کے وہ احکامات جو قرآن مجید میں مذکور ہیں وہ بھی ہمارے لیے بطور حکم کا درجہ رکھتے ہیں۔"کہ جو یہ اعتراض ہے کہ ہم پر سابقہ شریعتوں کے احکام لازم نہیں ہیں۔ہم ان کو تسلیم نہیں کرتے۔اس لیے کہ جو سارا (کلام) اللہ نے نازل کیا ہے اس میں ہمارے لیے فائدے اور منفعتیں ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا!"کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی پس جو ان کی اقتداء کرتے ہیں ان کو بھی ہدایت دی"پس حضرت یوسف علیہ السلام والی آیت ہمارے لیے ہدایت کا ذریعہ ہے" یہ واقعہ اللہ نے ہمارے لیے بیان کیا ہے اور ہم اس سے انکار نہیں کرتے پس یہ قرینہ کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔اگر ہم اس پر عمل نہ کریں تو گمراہ قرار پائیں گے۔

شریعت اسلامیہ کے بہت سے معاملات میں نبی کریم ﷺ نے قرائنی شہادت کو بطور ثبوت تسلیم کیا ہے۔ذیل میں احادیث کی روشنی میں آپ ﷺ کے قرائن کو قبول کرنے کے بارے میں چند احادیث درج ذیل ہیں۔ جیسا کہ احادیث کی مثالوں میں یہ ہے کہ باکرہ کی رضا اس کی خاموشی میں ہے یہ اس بات پر واضح قرینہ ہے کہ شریعت اسلام میں قرائن کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔جیسا کہ ہے اسلام کا حکم یہی ہے بچہ اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پر پیدا ہوگا۔جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔

۲۔اسی طرح اس کی ایک اور دلیل حضرت عائشہ سے مروی وہ حدیث ہے کہ "الوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الحَجَرُ"[۱۹]

"کہ بچہ اسی کا ہے جس کے بستر پر اس نے جنم لیا اور زانی کے لیے (والعاھر) سنگساری کی سزا ہے"
اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یہ بات سامنے ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان الولد للفراش یہ ایک قرینہ ہے جو کہ مرد اور عورت کے شرعی ملاپ پر دلالت کر رہا ہے کہ جس میں آدمی اپنا مادہ منویہ عورت کے رحم میں خارج کرتا ہے۔اور چونکہ بچہ اسی مادہ سے بنتا ہے لہٰذا اس کی نسبت بھی اسی مرد کی طرف کر دی گئی۔اور اس کا

نسب بھی ثابت ہو گیا۔ مگر یہاں نسب اسی مرد کے ساتھ منسوب ہو گا جس کے ساتھ عورت نے مجامعت شرعی نکاح کے بعد کی۔ لہٰذا فراش کو اگر بطور قرینہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نسب کے ثبوت اور شرعی احکام کے اثبات میں قرینہ کو نہ صرف فیصلہ کی بنیاد قرار دیا بلکہ اس کو حجت شرعیہ کا درجہ دیا۔

۳۔ بندہ کا نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد میں جانا اس کے مومن ہونے کی علامت ہے جیسا کہ حدیث مبارک میں بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ[۲۰]۔ ''جب تم آدمی کو دیکھو کہ مسجد میں آنے جانے کا عادی ہے تو اس کے ایمان کی گواہی دو''۔

مذکورہ حدیث سے ابن قیم استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جعل الرسول صلى الله عليه وسلم مداومة الرجل المسلم على ارتباد المسجد وشهود الصلوات الخمس جماعة،لا يتأخر عنها إلا لعذر مشروع دليلا ومارة قوية كأية كافية لأن يشهد له بالأيمان. وهذا دليل على مشروعية القرائن.''[۲۱]

''نبی کریم ﷺ نے مسلمان آدمی کی مسجد میں باقاعدگی اور مداومت اور پانچ نمازوں میں اس کی جماعت کے ساتھ حاضری کو اس کے ایمان کی گواہی کے لیے قرینہ بنایا ہے۔ اور یہ قرینہ کی مشروعیت پر بڑی دلیل ہے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرائن کی فی زمانہ کتنی اہمیت ہے کہ ایک آدمی کا ظاہری پہلو اس کے اندرونی معاملات کی عکاسی کرتا ہے تو یہ صرف اور صرف قرائن کی بدولت ہی ممکن ہے۔

۴۔ جھوٹ، وعدہ خلافی اور خیانت کو آپؐ نے منافقت کی نشانی قرار دیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔

''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " آيَةُ المُنَافِقِ ثَلاَثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ[۲۲]''

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے۔ بے شک آپ ﷺ نے فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔ اور جب امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے''۔

تو حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آدمی کے اندر مذکورہ عادات کا پایا جانا اس کے منافق ہونے کی نشانی ہے اور یہ قرائن کی حجیت پر واضح دلیل ہے۔ اسی طرح اور ایک اور روایت جس کو امام بخاری نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے جس میں عملی منافق کی نشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ارشاد ہوتا ہے:

''عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا: إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ[۲۳].''

''حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہمانے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ چار باتیں جس میں پائی جاتی ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں یہ عادتیں پائی جائیں گی اس میں نفاق ہوگا یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑدے، جب امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے اور بات کرے تو جھوٹ بولے اور وعدہ کرے تو دھوکہ دے اور جب کسی سے لڑے تو گالی دے''۔

بیان کی گئی حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے جھگڑے کو قرینہ پر محمول کیا ہے اور اس کا اعتبار کیا ہے اور یہ اس آدمی کے منافق ہونے پر قرینہ ہے۔ نفاق کا ظہور قرینے کے اعتماد پر واضح قرینہ ہے۔

۶۔ایک اور حدیث جو کہ علامات نفاق پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔

''آيَةُ المُنَافِقِ ثَلاَثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ[۲۴].''

''منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرئے اور جب امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرئے''۔

انسان کا جھوٹ بولنا اس کے نفاق کا قرینہ ہے، اس کی وعدہ خلافی اس کے نفاق کا قرینہ ہے اور اس کا خیانت کا مرتکب ہونا اس کے منافق ہونے پر قرینہ ہے۔ قرائن کے جواز کی مزید تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔

مجوزین قرائن کی رائے یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کے ذریعے سچائی سامنے آجائے اس کو شہادت کے طور پر قبول کیا جاسکتا ہے اس رائے کی بنیاد فقہاءِ صحابہ کے فیصلہ جات ہیں جو بطور دلیل موجود ہیں۔ ان میں یہ دلائل بھی ہیں جیسا کہ حمل کا جاری ہونا، شراب کی بو اور قے کی وجہ سے حد جاری کرنا، مال مسروقہ کا برآمد ہونا۔ مذکورہ صورتوں کے متعلق صحابہ کرام کے اقوال اور ان کے فیصلہ جات بیان کیے جاتے ہیں جن سے یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ قرائن کس حد تک قابل اعتماد ہیں۔

۷۔اکثر صحابہ کرام عمل بالقرائن کے موئدین میں سے تھے یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ قرائن کے ذریعے اثبات پر شراب نوشی کی حد بھی جاری کردیتے تھے۔ امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں: **عن السائب بن يزيد أن عمر كان يضرب في الريح.** ''سائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر شراب کی بُو پر مارتے تھے''۔[۲۵]

۸۔ حضرت عمر فاروق کا معمول تھا کہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ قرائن کی بناپر بھی فیصلہ فرمادیا کرتے تھے جیسا کہ آپ نے شراب کی قے کرنے والے کے لیے کوڑوں کی سزاسنائی اوراسی طرح آپ شراب کی بوپر بھی سزا کا حکم دیا کرتے تھے۔

جیسا کہ مالک بن حفیر کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔

"عن مالك بن حفير الحنفي قال أتي عمر بابن مظعون قد شرب خمرا، فقال: من شهودك؟ قال فلان وفلان وغياث بن سلمة وكان يسمي غياث الشيخ الصدوق فقال رأيته يقيها ولم أره يشربها فجلده عمر الحد."[26]

"مالک بن حفیر حنفی بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ابن مظعون کو اس الزام میں لایا گیا کہ اس نے شراب پی ہے، حضرت عمر نے پوچھا تمہارے گواہ کون ہیں، اس نے کہا فلاں، فلاں اور غیاث بن مسلمہ، غیاث کو سچا کہا جاتا تھا، اس نے کہا میں نے اس کو شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا ہے، شراب پیتے ہوئے نہیں دیکھا۔ حضرت عمر نے اس پر شراب کی حد جاری کر دی"۔

صحابہ کرام کے بعض آثار بھی اس حوالے سے قابل غور ہیں کہ وہ عمل بالقرائن کے حامی تھے اوراس بناپر فیصلہ بھی دیا کرتے۔

۹۔ "ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک شخص کے ساتھ اس حال میں پایا کہ انھوں نے دروازے بند کر کے پردے لٹکا رکھے تھے۔ سیدنا عمر نے ان دونوں کو سو سو کوڑے لگوائے"۔[27]

۱۰۔ "ایک شخص عشا کے بعد چٹائی میں لپٹا ہوا کسی دوسرے آدمی کے گھر میں پایا گیا تو سیدنا عمر نے اسے سو کوڑے لگوائے"۔[28]

۱۱۔ "ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرد اور عورت کو لایا گیا جو ایک لحاف میں پائے گئے تھے۔ انھوں نے دونوں کو چالیس چالیس کوڑے لگوائے اور انھیں لوگوں کے سامنے رسوا کیا۔ سیدنا عمر نے بھی ان کے اس فیصلے کی تحسین کی"۔[29]

۱۲۔ امام احمد بن حنبل نے سیّدنا حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا فیصلہ ذکر کیا ہے جس میں مذکورہ نوعیت کے فیصلے کا ذکر کیا گیا ہے "سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ اگر کوئی مرد عورت ایک ہی کپڑے میں پائے جاتے تو وہ دونوں کو سو سو کوڑے لگواتے"۔[30]

۱۳۔علامہ علاؤالدین طرابلسی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے معین الحکام کے باب ۵۱ میں قرائن پر تفصیلی بحث کی ہے وہ فرماتے ہیں :

"ولا خلاف في الحكم بها وقد جاء العمل بها في مسائل اتفق عليها الطوائف الأربع من الفقهاء."[۳۱]

"اس کے اختلاف میں کوئی جرح نہیں ہے اور مسائل میں اس پر عمل کے متعلق فقہاء اربعہ کا اتفاق ہے"۔

قرائن وشواہد واقعاتی شہادت کی بناپر فیصلہ کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔متعدد مسائل میں قرائن پر عمل کرنے کی ایسی مثالیں موجود ہیں جن پر مذاہب اربعہ کے فقہاء کا اتفاق ہے اس کے بعد علامہ موصوف نے پچیس ایسے مسائل نقل کئے ہیں جن میں فقہاء کرام نے قرائن پر فیصلہ کیا ہے۔

خلاصہ بحث:

قرائن کی حجیت اور دائرہ کار کے متعلق فقہا کے تفصیلی دلائل اور جائزے کے بعد یہ واضح ہوتا ہے کہ مجوزین کا موقف راجح ہے۔قرائن کی مشروعیت وحجیت ایک وسیلہ شرعیہ ہے فقہ کی کوئی کتاب اس سے خالی نہیں ہے اور نہ ہی کسی فقہیہ نے اس کو بعید سمجھا ہے اور اس پر تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ " قرائن صراحۃ النص کے قائم مقام ہوتے ہیں۔امام احمد کے ایک قول کے مطابق شراب کی بُو کے ثبوت سے حد لازم ہو جاتی ہے۔[32] امام مالک کے نزدیک اگر دو گواہوں سے شراب کی بُو ثابت ہو جائے تو حد ہو گی[33] اور امام شافعی اور امام ابوحنفیہ کے نزدیک محض بُو کے ثبوت سے حد لازم نہیں ہو گی۔اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ واقعاتی شہادت کی بناء پر شراب کی حد لگائی جاسکتی ہے۔[۳۴] ہر چند کہ فقہاء احناف کے نزدیک محض شراب کی بُو پائی جانے سے یا کسی کو شراب کی قے کرتے دیکھنے سے اس پر حد لازم نہیں ہوتی جب تک کہ وہ شراب پینے کا اقرار نہ کرے یا دو گواہ اس کے شراب پینے کی گواہی نہ دیں لیکن فقہاء احناف کے نزدیک بھی ایسے شخص کو تعزیری سزا دی جاسکتی ہے۔[35] علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں کہ :

"لاحتمال أنه شربها مكرها أو مضطرا فلا يجب الحد بالشك وأشار إلى أنه لو وجد سكران لا يجد من غير إقرار ولا بعنة لاحتمال ما ذكرنا أو رانه سكر من المباح بحر لكنه يعزر بمجرد الريح أو السكر كما في القهستاني."[۳۶]

"کیونکہ یہ احتمال ہے کہ اس کو جبراً شراب پلائی گئی ہو یا اس نے مجبوراً شراب پی ہو لہٰذا اس شک کی بناء پر حد واجب نہیں ہو گی، مصنف نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اگر کوئی شخص نشے میں پایا گیا اور اس کے شراب پینے پر گواہی قائم ہوئی اور نہ اس نے اقرار کیا تو اس احتمال کی وجہ سے اس پر حد نہیں ہو گی اور الجر الرائق میں ہے کہ یہ احتمال

بھی ہے کہ اس کو کسی مباح چیز کے پینے سے نشہ ہو گیا ہو، لیکن قہستانی میں ہے کہ شراب کی بُو پائی جانے سے یا نشہ میں پائے جانے سے اس کو تعزیر لگائی جائے گی"۔

قرائن کے متعلق جدید فقہی آراء اور اس کے متعلق قرآن وسنت کے دلائل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فی زمانہ اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے اس کو بنیاد بنا کر عدالتی فیصلے کیے جاتے ہیں اور قرائنی شہادت کو معتبر شہادت بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن شریعتِ اسلامیہ میں حدود وقصاص کے معاملات میں صرف قرائنی شہادت کو معیار بنا کر فیصلہ کرنے کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ یعنی کہ قرائنی شہادت گواہی کے قائم مقام نہیں بن سکتی۔

۱۔ عصر جدید کے اجتہادی اداروں میں اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ ہے جس کے ایک اجلاس سن ۱۹۹۸ء میں مکہ مکرمہ میں ڈی این اے ٹیسٹ کی حجیت اور دائرہ کار کے بارے میں ہونے والے اجلاس میں یہ قرار داد منظور کی تھی کہ " ڈی این اے ٹیسٹ سے حدود و قصاص ثابت نہیں ہو سکتے، البتہ دیگر جرائم میں اس کا اعتبار کیا ہے۔

۲۔ حدود وقصاص میں ڈی این اے ٹیسٹ کے غیر معتبر ہونے کا یہ مقصد نہیں کہ اس کا کوئی فائدہ ہی نہیں، بلکہ ڈی این اے ٹیسٹ چونکہ ایک قرینہ کی مانند ہے جس کی وجہ سے ٹیسٹ کی بدولت تفتیش کے عمل کو بآسانی آگے بڑھایا جا سکتا ہے، بے گناہوں کی بے گناہی کو ثابت کیا جا سکتا ہے۔ نیز قاضی اور جج اس ٹیسٹ کی بنیاد پر ملزم پر ایک طرح کا ذہنی دباؤ ڈال سکتے ہیں، جس کی وجہ سے ملزم جرم کرنے کی صورت میں اقرار پر مجبور ہو سکتا ہے اور قاضی اس کے خلاف اس کے اقرار کی وجہ سے فیصلہ صادر کیا جا سکے گا۔

۳۔ قرائن کی حجیت پر تو کوئی اعتراض نہیں کیونکہ اس کا اثبات تو قرآن مجید سے ہوتا ہے، جہاں تک اس کے معاملات میں دائر کار کا تعلق ہے تو حدود وقصاص کے معاملات کے علاوہ دیگر معاملات میں قرائن کی روشنی میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کی زندگی سے اس کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔

۴۔ عصر حاضر کے طبّی، زبانی، تحریری اور الیکٹریکل قرائن کو شہادت اصلی کے طور پر نہ ہی آئینی و قانونی حیثیت حاصل ہے اور نہ ہی شرعی اعتبار سے اس کو شہادت اصلی کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔

۵۔ عصر حاضر کے تمام قرائن کو صرف ثانوی شہادت کے طور پر قبول کیا جائے گا۔

۶۔ زنا کے جرم میں اگر ڈی این اے رپورٹ کے علاوہ کوئی گواہی نہ ہو تو جج مجرم کو سنگساری کے علاوہ سخت سے سخت سزا بھی دے سکتا ہے جس کو جنسی جرائم کی روک تھام کے لئے اہم سمجھا جائے قاضی وہ سخت سے سخت سزا (تعزیر) بھی تجویز کر سکتا ہے۔

۷۔ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے ڈی این اے کے بارے میں سفارشات جاری کیں کہ جس بچے کا نسب شرعی اصول کے مطابق ثابت ہو اس کے بارے میں ڈی این اے ٹیسٹ کے ذریعہ اشتباہ پیدا کرنا شرعاً جائز نہیں۔

۹۔ اگر کسی بچہ کے بارے میں چند دعوے دار ہوں اور کسی کے پاس واضح شرعی ثبوت نہ ہو تو ایسے بچے کا نسب ڈی این اے کے ذریعے متعین کیا جاسکتا ہے۔

۱۰۔ جو جرائم موجب حدود و قصاص ہیں ان کے ثبوت کے لئے مخصوص طریقوں کے بجائے ڈی این اے ٹیسٹ کا اعتبار نہیں ہوگا۔

۱۱۔ حدود و قصاص کے علاوہ دوسرے جرائم کی تفتیش میں ڈی این اے ٹیسٹ سے مدد لی جاسکتی ہے اور اگر قاضی ضرورت محسوس کرے تو اس پر مجبور بھی کر سکتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱ شریف جرجانی، علی بن محمد (۷۴۰ھ-۸۱۶ھ)، التعریفات، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ص: ۴۳

۲ فتح اللہ زید، حجیۃ القرائن فی القانون والشریعۃ، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، ۱۳۵۵ھ بحث فی تخص صا قضاء الشرعی، ص: ۸

۳ زرقاء، مصطفیٰ بن احمد (۱۳۲۲ھ-۱۳۵۷ھ)، المدخل الفقہی العام، دمشق: دارالکتب العلمیۃ، طبعۃ تاسعۃ، ۱۹۶۸ء، ۹۰۲/۲

۴ ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم (۹۷۰ھ)، البحرالرائق شرح کنزالدقائق، بمصر: مطبوعۃ دارالکتب العربیۃ للحلبی ۱۳۳۳ھ، ۷/ ۲۰۵

۵ ابن ماجہ: ۸۵۵/۲

۶ یونس: ۳۶

۷ الزحیلی، محمد مصطفیٰ، القوائد الفقہیہ و تطبیقاتھا فی مذاہب الاربعہ، دمشق: دالفکر، ۱۴۲۷ھ، ص: ۲۳۴

۸ فتح الباری، ۱۲/ ۲۸

۹ ابن ماجہ: ج/۸۵۵

۱۰ علی قراعہ، الشیخ، اصول القضائیہ فی المرافعات الشرعیۃ، مصر: الرغائب بدارالموید بالقاہرہ، ۱۳۳۹ھ، ص: ۲۷۵

۱۱ عزالدین، عبدالسلام بن عبدالعزیز، متوفی ۶۶۰، قوائد الاحکام، مصر: دارالشرق القاہرہ ۱۳۸۸ھ، ۱۳۷/۲

۱۲ النساء: ۱۵۷

۱۳ قوائد الاحکام، ۱۴۲/۲

۱۴ ابن قیم محمد بن ابی بکر، متوفی ۷۵۱، اعلام المعوقین عن رب العالمین، مصر: مکتبہ الکلیات الازھریہ ۱۳۸۸ھ، ۱/ ۹۴

۱۵ یوسف ۱۲ : ۲۷

۱۶ القرطبی، محمد بن احمد بن فرج ابو عبداللہ، الجامع الاحکام القرآن، القاہرہ: دارالقلم ۱۳۸۶ھ، ۹ ۱۷۲/

۱۷ ایضا

۱۸ ایضا

۱۹ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب تفسیر المشبہات، رقم: ۲۰۵۳

۲۰ الترمذی، محمد بن عیسیٰ، متوفی ۲۷۹ھ، السنن، مصر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، کتاب ابواب تفسیر القرآن، باب: ومن سورۃ التوبۃ، رقم: ۳۰۹۳: القزوینی، محمد بن یزید، السنن، القاھرۃ: داراحیاء الکتب العربیۃ، کتاب المساجد والجماعات، رقم الحدیث: ۸۰۲

۲۱ ابن قیم، امام، الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیہ، مصر: المؤسسۃ العربیۃ للطباعۃ والنشر القاہرہ ۱۳۸۰ھ، ص: ۲۵۹

۲۲ الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق، رقم: ۳۳

۲۳ الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق، رقم: ۳۴

۲۴ الجامع الصحیح، رقم: ۳۳

۲۵ ابن ابی شیبہ، عبداللہ بن محمد بن ابی، متوفی ۲۳۵، الکتاب المصنف بالاحادیث والآثار، الریاض: مکتبۃ الرشد ۱۴۰۹ھ، کتاب الحدود، باب فی رجل یوجد منہ ریح الخمر، ماعلیہ، رقم: ۲۸۶۲۸

۲٦ الفتح الباری ۲۲/۱

۲۷ الکتاب المصنف فی الاحادیث والآراء، رقم: ۱۳۷۰۸

۲۸ ایضاً: رقم: ۱۳۷۱۰

۲۹ ایضاً: رقم: ۱۳۷۱۰

۳۰ احمد بن حنبل، امام، مسند احمد، متوفی ۲۴۱ھ، بیروت: مطبوعہ مکتب اسلامی ۱۳۹۸ء، ۱/ ۴۲۵ تا ۳۷۸

۳۱ طرابلسی، علی بن خلیل (۸۴۴ھ)، معین الحکام فیمایتردد بینا لخصمین من الاحکام، مصر: مطبعہ الامیریہ بولاق، طبعہ اولیٰ ۱۳۰۰ھ، ص: ۱٦۲

۳۲ ابن رشد، محمد بن احمد بن رشد، (متوفی ۵۹۵ھ) بدایۃ المجتہد، بیروت: مطبوعہ دار الفکر، ج ۳۳۳/۲

۳۳ ایضا

۳۴ ایضا

۳۵ ایضا

۳٦ ابن عابدین، سید محمد امین الشامی، متوفی ۱۲۵۲ھ، ردالمحتار، استنبول: مطبوعہ عثمانیہ، ۱۳۲۷ھ، ج ۳ /۲۲٦